R. N. 2186/57

Regd. No. A 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 29

Telegrams: "ANJUMAN"

قیمت

سالانہ تین روپے

ایک پرچہ

دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت

۱، ۸، ۱۵، ۲۲

جلد ۲۰ شمارہ ۴۲	ایڈیٹر۔ آل احمد سرور	علی گڑھ۔ ۱۵؍ نومبر سنہ ۱۹۶۱ء

قاضی سراج دھولپوری

گذشتہ سے پیوستہ

دیوان جانی بہاری لال رؔاضی بھرتپوری

مہاراجہ جسونت سنگھ سنہ [illegible] میں ریاست کے مختار بنا دئے گئے۔ کمپنی کی ایسی صورت میں بظاہر کوئی ضرورت نہ رہی۔ ممبروں کو جہاں جہاں سے لیا گیا تھا وہاں وہاں واپس کر دیا گیا۔ راضی پھر شعبۂ وکالت میں آگئے۔ مگر اب جیسا کہ سنہ [illegible] کی مطبوعہ کتاب "تذکرۂ صدر" سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے ان کو ترقی دے کر "وکیل" بنا دیا گیا۔ مستقر ان کا حسب سابق اب بھی آگرہ ہی رہا کہ ریزیڈنسی کا صدر مقام تھا۔ یہاں سے پھر ایک مرتبہ ضرورتاً ان کو اودے پور متعین کیا گیا کیونکہ مہاراجہ شمبھو سنگھ والی اودے پور کے انتقال واقع ۶؍ اکتوبر سنہ [illegible] کے بعد ان کے چچازاد بھائی مہاراجہ سجن سنگھ گدی کے مالک قرار پائے مگر اس وقت عمر ان کی سولہ سال کی تھی۔ مختار نہیں بنائے جا سکتے تھے لہٰذا جانی جی کو مہاراجہ کا اتالیق مقرر کر دیا گیا کہ یہ ایک کار آزمودہ قابل اور بھروسے کے کارکن تھے۔ چنانچہ "ہینڈ بک آف ہندوستان" مطبوعہ سنہ [illegible] میں مہاراجہ سجن سنگھ جی کو "Under a native Tutor" بتایا گیا ہے۔ مہاراجہ سجن سنگھ نے عمر بہت کم پائی۔ ابھی وہ صرف چوبیس سال کے تھے کہ سنہ [illegible] میں دنیا کو خیرباد کہہ گئے۔

سکسینہ صاحب نے جانی کو سمبت ۱۹۳۳ میں مہاراجہ اودے پور کا اتالیق بتایا ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ سمبت سنہ [illegible] کے مطابق قرار پاتا ہے اور اس وقت ان کی عمر انگریز مصنفین کے قول کے مطابق انیس سال کی تھی گویا وہ سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے اور ریاست کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی۔ ڈاکٹر جے۔ پی۔ دسترمین صاحب سابق پولیٹکل ایجنٹ میواڑ نے

؎ Hand book of Hindustan مصنفہ [illegible] ایڈیشن [illegible] پروفیسر [illegible] مطبوعہ [illegible]

دہلی کے عہد حکومت میں تاریخ مسعود از زبان انگریزی مرتب کی جس کا ترجمہ تالیف کتاب کے دو سال بعد سنہ [illegible] میں جانی بہاری لال نے کیا۔ قطعہ [illegible] سنہ [illegible] کا حاصل اس کا تاریخی نام رکھا اور مطبع اعجاز محمدی آگرہ میں ۹×۶ کے پیمانے پر اس کو طبع کرایا۔ یہ ایک سو دو صفحات پر مشتمل ہے۔ (نیز راضی راجہ کی زیر سرپرستی سنہ [illegible] میں تاریخ راجستھان کا اردو ترجمہ نولکشور پریس سے شائع ہوا جو ۱۲×۹ کے سائز پر ۴۰۲ صفحات پر مشتمل ہے)۔

خدمات اتالیقی انجام دینے کے بعد راضی پھر اپنی مستقل جگہ پر آگرہ آگئے۔ سنہ [illegible] میں وکیل بھرت پور ہونے کی حیثیت سے محمڈن لا انگریزی قصیدہ پیش کیا۔ اس میں نام کے ساتھ "وکیل بھرت پور" کے علاوہ "راؤ بہادر" خطاب بھی درج ہے۔ سنہ [illegible] کے ایک مراسلے میں جو ولیم کیمپسن صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ممالک شمال و مغربی نے راضی کے نام اردو زبان میں جاری کیا ہے اور جس کی نقل "یادگار راضی" میں شامل ہے، یہ خطاب موجود نہیں اور سنہ [illegible] کی مطبوعہ "یادگار راضی" میں اس کا کوئی اندراج۔ لہٰذا غالب قیاس یہ ہوتا ہے کہ سنہ [illegible] اور سنہ [illegible] کے درمیانی زمانے میں کسی وقت ان کو یہ خطاب دیا گیا۔

راقم سطور کے کتب خانے میں جانی بہاری لال راضی کی جو تصانیف محفوظ ہیں ان کی تاریخ وار تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

(۱) "یادگار راضی"۔ نام اس کا تاریخی ہے جس سے سنہ [illegible] ہجری (مطابق [illegible]) واقع ہوتا ہے۔ غالباً سب سے پہلے انھوں نے یہی کتاب لکھی ہے کیونکہ اس سے پہلے کی کوئی کتاب دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۱×۹ کے سائز پر سنہ [illegible] میں مطبع مفید عام آگرہ میں طبع ہوئی ہے۔ کتابت اس کی محمد حسین لکھنوی ابن مولوی محمد ہادی علی نے کی ہے۔ آخر کتاب میں آٹھ اشعار کی ایک عربی نظم بھی شامل ہے جس میں کتاب کے پڑھنے والے طلبہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ شروع کے اٹھائیس صفحات میں فہرست مضامین درج ہے اور دو پر صحت نامہ۔ ان میں صفحہ اول سے کتاب شروع کی گئی ہے جس کا موضوع بحث صرف عربی ہے جس کو اٹھارہ حصوں یا بابوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شروع وسط کے لحاظ سے اسی قسم کی

بہ ایک ہی کتاب ہے۔ عربی زبان کے قواعد پر اردو میں مختصر رسائل تو نظر سے گزرے ہیں مگر اتنی مبسوط و مفصل کتاب دیکھنے میں نہیں آئی اور پھر ایک ایسے مصنف کی جس کو عربی سے بظاہر کوئی تعلق نہیں۔ اس زبان کا کوئی قواعد داں اور مسلم الثبوت اہلِ زبان ایسا نہیں جس سے مصنف نے استفادہ نہ کیا ہو۔ نیز موقع و محل کے لحاظ سے اپنی رائے بھی سپردِ قلم کی ہے اور عربی اسکولوں کے اختلافات و خصوصیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زبان زیرِ بحث میں راضی کا مطالعہ گہرا تھا اور وہ مبصرانہ حیثیت کے مالک تھے۔ میری رائے میں اس کتاب کی اشاعت ہندوستان کے موجودہ کسی ادارے کی جانب سے ہونا ضروری ہے یا خود حکومت اس طرف توجہ کرے تو مناسب ہے کہ بحالتِ موجودہ ابنائے وطن میں کسی دوسرے اہلِ قلم کی عربی میں ایسی کوئی نادر و مبسوط تصنیف عالمِ وجود میں نہیں اور نہ بزمانۂ آئندہ اس کا کوئی امکان کیونکہ بلحاظ ضرورت و کمیِ وقت اس قسم کی کتابوں میں اختصار بالعموم مدِ نظر ہوتا ہے جس سے ضروری معلومات تو ہو جاتی ہے مگر موضوع پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ پاتا۔ میری رائے میں یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب پڑھنے والے کو متعلقہ چھوٹی بڑی ہر بحث پر عبور رکھی حاصل ہو اور پھر یہ علمبردارِ اتفاق و اتحاد اپنی قسم کا اولین و آخرین کارنامہ اپنے ملک کا ہے جس کو بلادِ عربیہ کی قواعدوں کے دوش بدوش کامیابی کے ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔ کتاب پیشِ نظر "یادگارِ راضی" کا حصۂ اول ہے۔ بحو پر مشتمل دوسرا حصہ بھی اتنا ہی ضخیم اور مفید بتایا گیا ہے۔

مذکور الصدر کتاب کے خاتمے کی تاریخ راضی نے قطعۂ ذیل کے ذریعے بھی پیش کی ہے۔ ؎

سجدۂ شکرِ ذوالمنن واجب	چشمۂ فیضِ لسڈن صاحب
نسخۂ یادگارِ راضی ہے	قسرۂ یادگارِ راضی ہے
حالِ نسبت ہے کام سے ظاہر	سالِ ہجرت ہے نام سے ظاہر
سیرتے فائدہ سراسر ہے	خیر سے عائدہ برابر ہے

بہرِ راضی سے یادگار ہے ایک

یعنی راضی سے یادگار ہے نیک

اور "خاتمہ الطبع" پر مہتمم مطبع کی جانب سے جو قطعہ درج ہے اس میں لفظ "خمخانہ سے ۱۲۹۶ھ بہم پہنچایا گیا ہے جس کی مطابقت ۱۸۷۹ء سے ہوتی ہے۔ نیز سال تصنیف ۱۲۹۲ ہجری، عیسوی ۱۸۷۵ء کے مطابق قرار پاتا ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں راضی نے اپنا تخلص عربی دانی کے زیرِ اثر تجویز کیا ہے کہ "شیخ الرضی" عربی کا ایک بڑا مستند قواعد داں ہوا ہے جس سے استناد کیا جاتا تا آج بھی معمولات میں ہے۔ ممکن ہے وہ خود کو عربی قواعد میں شیخ کے ہمپایہ سمجھتے ہوں بلکہ زیادہ کر زیادت الف انھوں نے اپنا تخلص رکھا۔

(۳) "منتخب زبان فارسی و انگریزی" اس کی تاریخی تفصیل اندرونِ مضمون آچکی ہے۔

(۴) "یادگارِ راضی" نام اس کا بھی تاریخی ہے جس سے ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) اخذ ہوتا ہے۔ یہ بانداز مثنوی گلستان سعدی کا منظوم ترجمہ ہے۔ گلستان فارسی سعدی اس کا مصرعِ تاریخ ہے۔ یہ ۱۱×۹ کے پیمانے پر مطبع مفید عام آگرہ میں چھپا ہے۔ صفحات اس کے ایک سو چالیس ہیں۔ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک شمالی و مغربی نے اس سلسلے میں ایک پروانہ ۱۳ ستمبر ۱۸۶۹ء کو بہ نمبر ۶۰۳ الف اردو میں جاری کیا ہے جس میں کتاب کو "قابلِ تحسین" بتاتے ہوئے "جناب سرکار شکریہ ادا کیا گیا ہے اور بنظر قدردانی سرکار سو جلدیں کتاب "یادگارِ راضی" کی انعام میں دینے کے لئے خرید کی گئی ہیں۔

(۵) "دلآرامِ راضی" اس کے نام سے ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) بہم پہنچتا ہے۔ یہ بوستانِ سعدی کا اردو ترجمہ ہے جو بصنف مثنوی نظم کیا گیا ہے۔ سائز اس کا ۱۱×۹ ہے اور صفحات ۱۳۰۔ مطبع مفید عام آگرہ میں اس کی طباعت ہوئی ہے۔ اس کے سلسلے میں بھی ڈائرکٹر صاحب مذکور الصدر کا پروانہ بہ نمبر ۱۲۳۹ مورخہ ۷ اگست ۱۸۷۲ء بزبان اردو جاری ہوا ہے جس میں ترجمے کے ہوشیاری سے کئے جانے کا اظہار کیا گیا ہے اور کتاب کو "پڑھنے کے قابل" بتا کر مصنف کی "سعی مشکور" بتائی گئی ہے۔ نیز تحریر کیا گیا ہے کہ اس سے مترجم کی "ہوشیاری و لیاقت ظاہر ہوتی ہے"۔

(۵) "اورنگِ راضی" نام کتاب تاریخ کا حامل ہے جس سے ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء) سالِ تصنیف نکلتا ہے۔ یہ انوارِ سہیلی کا منظوم ترجمہ بطرزِ مثنوی ہے۔ ۱۱×۹ اس کا سائز ہے اور تعداد صفحات ۴۷۸ ہے۔ ۱۲۸۹ء میں مطبع مفید عام آگرہ میں یہ کتاب چھپی ہے۔ "بہار گلشن راضی" سن مذکور کا حامل تاریخی مادہ انطباع ہے۔

(۶) "گلِ مقصودِ راضی" ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳ء) کا مظہر اس کا نام ہے جو جے۔ پی۔ الٹرفین صاحب سابق پولیٹکل ایجنٹ میواڑ کی انگریزی "تاریخ چتور" کا اردو ترجمہ ہے جو ایک سو دو صفحے اور ۹×۶ کے پیمانے پر اعجاز محمدی پریس آگرہ میں منطبع ہوا ہے۔ اس میں ہندی جو نام آئے ہیں ان کو خطِ ناگری حاشیہ پر لکھ دیا گیا ہے۔ قدرے ذکر اس کتاب کا متنِ مضمون میں آچکا ہے۔

(۷) "قصیدہ بزبانِ انگریزی" عنوان اس کا A qasida in Poetic Address ہے۔ یہ ۴ مئی ۱۸۸۹ء (۱۳۰۶ھ) کو ایجنٹ گورنر جنرل کے دربار میں پیش کیا گیا ہے۔ دو سو دو مصرعوں پر مشتمل ہے جو آٹھ صفحوں پر محیط ہیں۔ یہ از ابتدا تا انتہا ہندوستانی محاسن سے بھرپور ہے۔ زبان اس کی بہت صاف اور متروکات و مخففات سے مبرا ہے جس سے اس زبان میں بھی شاعر کی قوتِ شعر گوئی اور مضمون آفرینی کے علاوہ زبان پر بے تکان قدرت کا جو ناظاہر ہوتا ہے۔ نیز انگریزی لباس میں دیسی خیالات کا پیش کرنا شاعر کی جدتِ طبع ہے جس کو انھوں نے خود بھی محسوس کیا اور لکھا ہے۔

قصیدۂ مذکور کے ساتھ چار تصانیف کا تحفتہً پیش کیا جانا بھی قصیدے میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز بتایا ہے کہ یہ کتابیں انگریزی فارسی سیکھنے والوں کے لئے مفید ہیں۔ معلوم نہیں یہ کونسی کتابیں ہیں۔ فہرست مندرجہ بالا میں صرف ایک کتاب نمبر ۳ اس مقصد کو پورا کرتی ہے مگر دوسری تصانیف میں سے ہے۔

(باقی صفحہ ۷ پر)

اداریہ

"ذرا آہستہ لے چل کاروانِ عشق و مستی کو"

ہندی بہار، اترپردیش، مدھیہ پردیش اور راجستھان کی سرکاری زبان ہے۔ یہ مرکز کی سرکاری زبان بھی ہونے والی ہے اب اگر ہندی دوست ہندی کو یونیورسٹیوں میں ذریعہ تعلیم بنانے میں جلدی کریں تو اس سے ہندی کی کوئی خدمت نہ ہوگی، ہاں ان لوگوں کے لئے جو ابھی ہندی میں پوری مہارت نہیں رکھتے دشواریاں بڑھ جائیں گی۔ ابھی یونیورسٹی کی منزل کے لئے اچھی کتابوں کی ضرورت ہے۔ ابھی استادوں کو جدید علوم کو ہندی میں پڑھانے کے لئے خاصا ریاض کرنا ہے۔ ابھی اس بات کے سلسلے میں اطمینان ہونا چاہیے کہ ذریعہ تعلیم میں تبدیلی اس اسلوب سے ہو کہ معیاروں پر اثر نہ پڑے۔ دو سال پہلے بہار یونیورسٹی اور پٹنہ یونیورسٹی نے یہ کوشش کی تھی کہ فوراً ہندی کو پڑھائی اور امتحان کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس پر بہار کی دوسری زبانوں کے بولنے والوں نے سخت احتجاج کیا تھا۔ اس سے متاثر ہو کر یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ اب پھر کچھ لوگ سنہ ۱۹۶۲ء سے ایسا کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری رائے میں بہار اور پٹنہ یونیورسٹی کو ابھی اس سلسلے پر اور غور کرنا چاہیے۔ دہلی یونیورسٹی نے بھی سنہ ۱۹۶۲ء سے تبدیلی کا پروگرام بنایا تھا مگر اُسے اس پروگرام کو طویل عرصے کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہرین تعلیم اب یہ محسوس کرتے جا رہے ہیں کہ انگریزی کو یونیورسٹیوں میں ابھی کافی عرصے تک ذریعہ تعلیم رہنا چاہیے۔ اس کی وجہ غلامانہ ذہنیت نہیں، معیاروں پر اصرار ہے۔ یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ خاص تیاری کے بغیر ایسے بڑے قدم اُٹھانے سے نت نئی دشواریوں کا سامنا ہو سکتا ہے، اس لئے بہار اور پٹنہ یونیورسٹی کو ابھی ہندی کو ذریعہ تعلیم بنانے اور امتحان کا ذریعہ بنانے میں جلدی نہیں کرنا چاہیے۔ اُنھیں اس بات کی اجازت دینی چاہیے کہ امتحان میں جس کا جی چاہے انگریزی میں جواب دے اور جس کا جی چاہے ہندی میں۔ اس طرح کچھ طلبہ کو آسانی بھی ہو جائے گی اور اس آسانی کی وجہ سے دوسروں کی مشکلات میں اضافہ نہ ہوگا۔ ہندی کے علمی معیار کو بڑھانے کے لئے اچھی کتابوں کی تالیف اور معیاری انگریزی کتابوں کے مناسب ترجمے کی زیادہ ضرورت ہے۔ یونیورسٹیوں کو علم کا گہوارہ ہونا چاہیے سستی سیاست کا اکھاڑہ نہیں۔

اِدھر اُدھر سے

ہندوستان کے تعلیمی مسائل پر تحقیقاتی مقالوں کی اشاعت

تعلیمی مسائل پر تحقیقات کی قومی کونسل جو ہندوستان میں تعلیم کے متعلق ہر سال ایک کتابچہ کی اشاعت کے لئے قائم کی گئی تھی، پہلا کتابچہ اگلے مہینہ شائع کرے گی۔ اس بات کا انکشاف وزارت تعلیم کے سکریٹری مسٹر پریم کرپال نے ابتدائی تعلیم کی کل ہند کونسل کے افتتاح کے موقع پر کیا۔ مسٹر کرپال نے کہا کہ یہ کتابچے لندن کی انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، اور امریکہ کی سوسائٹی فار دی اسٹڈی آف ایجوکیشن کی جانب سے جاری کئے جانے والے سالانہ کتابچوں کی طرح کے ہوں گے اور ہر سال تعلیم کے کسی ایک اہم مسئلہ پر ماہرین فن کے مقالے پیش کئے جائیں گے۔ انھوں نے بتایا کہ پہلا کتابچہ ہندوستان کی مابعد آزادی تعلیمی ترقی سے متعلق ہوگا۔ اور دوسرا کتابچہ جو ثانوی تعلیم پر ہوگا اگست سنہ ۱۹۶۲ء میں شائع کیا جائے گا۔ مسٹر کرپال نے کہا یقین ہے کہ یہ کتابچے ملک کی تعلیمی ترقی کی رفتار میں خاطر خواہ اضافے کا سبب بن سکیں گے۔

اُردو کے ۲۸ مصنفوں کو حکومت کی طرف سے وظائف

معلوم ہوا ہے کہ تقریباً دو سو مصنف ادیب اور شاعر اور ایک سو موسیقار اور فنکار ایسے ہیں جنھیں حکومت کی طرف سے وظائف دیے جا رہے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کسی ادب یا فن کی کوئی خدمت کی ہے اور جن کے ناموں کی سفارش صوبائی حکومتوں نے کی تھی۔

جن لوگوں کو یہ وظائف مل رہے ہیں ان میں بنگلہ کے ۲۳، ہندی کے ۸، ملیالم کے ۸، سنسکرت کے ۱۹، تلگو کے ۱۹ اور اُردو کے ۲۸ مصنف شامل ہیں۔

برطانیہ میں ہندوستانی کتابوں کی مقبولیت

ایک خبر کے مطابق ہندوستان کی اہم اور نئی مطبوعات بہت زیادہ تعداد میں برطانیہ پہنچ رہی ہیں اور انھیں برطانیہ کی یونیورسٹیاں، لائبریریاں، کالج، طلبہ اور عام پڑھنے والے خرید رہے ہیں۔

نئی دہلی میں موسیقی پر مباحثہ

ریڈیو سنگیت سمیلن کے سلسلے میں ۷، ۸، ۱۰ نومبر ۱۹۶۱ء موسیقی پر ایک چار روزہ مباحثہ منعقد کیا گیا۔ اس میں ہندوستانی موسیقی کا خیال کہ موسیقی میں ... پر زیادہ زور دیا گیا۔ مشہور ماہرین موسیقی ٹھاکر جے دیو سنگھ، شری رتن جنکر، شری ایس این رتن جنکر، شری سی ایس پنت، شری ڈی پی ودیا، شری ایس این سوامی، پرناچ مند، شری ایس سی چکرورتی، شری بال کرشن، شری اے ایس رنگناتھن، شری بی آر دیودھر، شری پی سمبامورتی، شری ہیرا لال، شری وی کے نارائن، شری کے ڈی ... نے حصہ لیا۔

نرالا کی یادگار

الہ آباد۔ ۳۰ر اکتوبر۔ یہاں اخباری نمائندہ کو سیٹھ گوبند داس ممبر پارلیمنٹ نے بتایا کہ انھوں نے نرالا پریشد کی اس تجویز کو منظور کرلیا ہے کہ پنڈت سوریہ کانت نرالا کی کتابوں کے ترجمے دنیا بھر کی زبانوں میں کرانے کا مناسب انتظام کیا جائے۔ سیٹھ گوبند داس نے نرالا جی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ کوشش بھی کی جائے گی کہ ان کی کتابوں کے ہندوستان کی تمام زبانوں میں بھی ترجمے کرائے جائیں۔ سیٹھ جی نے اس تجویز کی زبردست حمایت کی کہ نرالا جی کی یادگار میں ایک میموریل بنایا جائے، اور وہاں ان کا ایک بُت نصب کیا جائے اور ان کی تمام کتابیں جمع کی جائیں۔

ہندی کی ترویج و ترقی کیلئے مرکزی وزارت تعلیم کے اقدامات

وزیر تعلیم ڈاکٹر کے ایل شری مالی نے ہندی شکھشا سمیتی کے چودھویں اجلاس میں یہ انکشاف کیا کہ مرکزی وزارت تعلیم نے جنوب مشرق میں ہندی کی ترویج و ترقی کے لئے مزید دو سرکاری دفاتر کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان دفتروں میں مشاورتی کمیٹیاں ہوں گی جو غیر ہندی ریاستوں کو ہندی مقبول بنانے کے سلسلے میں ضروری مشورہ دیں گی۔ اس کے علاوہ مرکزی وزارت تعلیم نے آسام اور مغربی بنگال میں ہندی ٹیچروں کی تربیت کے لئے دو ٹریننگ کالج قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس قسم کے دو کالج میسور اور کیرالا میں قائم کئے جا چکے ہیں۔

ہندی شکھشا سمیتی نے ہندی نہ بولنے والی ریاستوں کے ہندی ادیبوں اور شاعروں کی ہمت افزائی کے لئے مختلف تجاویز پر غور و خوض کیا ہے۔ سمیتی نے تمام علاقائی زبانوں کے لئے دیوناگری کو ثانوی رسم خط بنانے کی اسکیم پر بھی غور و خوض کیا۔

مشہور شاعروں کے ترتیب دئیے ہوئے گانوں کے رکارڈ

معلوم ہوا ہے کہ حکومت مغربی بنگال نے بنگال کے مشہور و معروف شاعروں کے ترتیب دئیے ہوئے گانوں کے رکارڈ کم قیمت پر فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت مغربی بنگال کی وزارت تعلیم جلد رکارڈ کمپنیوں سے بات کرنے والی ہے۔

ان تمام شاعروں کے گانے کے رکارڈوں کے لئے حکومت رکارڈ کمپنیوں کو امداد دے گی۔ اس وقت بازار میں رکارڈ کی جو قیمت ہے یہ رکارڈ اس سے نصف قیمت پر فروخت کئے جائیں گے۔

ترو پتی میں سنسکرت ودیاپیٹھ قایم کرنے کا فیصلہ

حکومت ہند نے تروپتی میں کیندریہ سنسکرت ودیاپیٹھ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کا مقصد سنسکرت ٹیچروں کی تربیت اور سنسکرت کی تعلیم کے طریقوں کی تحقیقات ہوگا۔

لسانی اشتراک

اردو	نارنگی
ہسپانوی	نارنجا
فارسی	نارنج
انگریزی	اورینج
فرانسیسی	اورانژ
جاپانی	اورین جی

(ا۔ک)

جرمنی میں ہندوستانی موسیقاروں کی تعریف

برلن۔ ۵ر نومبر۔ یہاں کے موسیقی کے نقادوں نے ہندوستان کے تین موسیقاروں کی دل کھول کر تعریف کی ہے جنھوں نے اس سال ہندوستانی ثقافت کے ہفتہ میں شمولیت کی۔ ان ماہرین موسیقی کے نام استاد ولایت خاں (ستار نواز)، امرت خاں (سر بہار نواز) اور سمتا پرساد (طبلہ نواز) ہیں۔

انھوں نے دو ہزار جرمنوں کے سامنے اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا اور ان سے خراج تحسین وصول کیا۔ اس کے بعد مغربی جرمنی کے موسیقی کے نقادوں نے ان ہندوستانی فن کاروں سے فرمائش کی کہ وہ پھر اپنے کمالات دکھائیں۔ ایک جرمنی نقاد نے ان ہندوستانی فنکاروں کو بین اقوامی شہرت رکھنے والے کچھ مغربی سنگیت کاروں کا ہم پلہ بتایا ہے۔ دوسرے جرمنی نقادوں نے بھی ان ہندوستانی فنکاروں کی غیر معمولی تعریف کی ہے۔

اندھوں کے لئے اخبار

لندن۔ ۷ر نومبر۔ برطانیہ کے ایک سابق صحافی نے اندھوں کے لئے ایک اخبار جاری کیا ہے۔ یہ اخبار "ٹیپ" پر چھپتا ہے۔ صحافی مسٹر والٹر گلنگ نے اندھوں کے لئے ٹیپ ریکارڈر پر "اخبار" جاری کرنے کا فیصلہ اس بات کے پیش نظر کیا ہے کہ برطانیہ کے ایک لاکھ اندھے مردوں اور عورتوں میں سے صرف دس فیصد بریل سسٹم کے تحت پڑھ سکتے ہیں۔ ان کا اخبار جو اپنی نوعیت کا واحد ہفت روزہ ہوگا۔ ٹیپ ریکارڈ کیا جائے گا۔ اس میں مقامی خبروں کے علاوہ عام دلچسپی کے مسائل پر تبصرہ اور انٹرویو بھی درج کئے جائیں گے۔ یہ ٹیپ ریکارڈ اندھوں کی کلبوں میں ہر ہفتے مقررہ دن بجائے جائیں گے۔ مسٹر گلنگ بعض طلبہ کو ٹیپ ریکارڈ بھرنے کی تربیت بھی دے رہے ہیں۔ یہ نوجوان انھیں اخبار جاری کرنے میں مدد دیں گے۔

غزل

سید دوست [illegible]

دیارِ عقل میں پہنچے جو تیرے سودائی
ہوئی کچھ اور بھی رسوا جنوں کی دانائی

سمجھ کے بھی سے شاید کوئی سمجھ نہ سکا
وہ داستاں جو مری خامشی نے دہرائی

فرازِ دل کی نظر آتی ہے جہاں سے جھلک
رہِ طلب کی وہ منزل ابھی نہیں آئی

نکل کے محفلِ جاناں سے یہ ہوا محسوس
سمٹ کے رہ گئی کونین کی پہنائی

لرز رہی ہیں یہ پرچھائیاں سی کیوں ہر سو؟
پکارتی ہے کسے میری شامِ تنہائی!

بھرے ہے حسن بادہ زندگی کے جلووں کو
ہمیں سے ہو گئی زندگی کی رعنائی!

مزاجِ عشق تلون شعار بھی تو نہیں
وہ پوچھتے ہیں کہ ہوش میں کیوں نہیں آئی؟

بلندیوں سے جو گرتے تو کوئی بات بھی تھی
ہمیں ڈبو گئے اپنے دلوں کی گہرائی

عجیب چیز ہے یہ آب و گِل کی دنیا بھی
کہیں تماشا ہیں اور خود ہمیں تماشائی

زبانِ ہر چمن فسانے بھی اتنے عنوان ایک
کہاں ہر ایک کو حاصل نشاطِ رسوائی

چراغوں کا جلاؤ کہ روشنی پھیلے
حیات لیتی ہے تاریکیوں میں انگڑائی

ہزار روپ بھرے، رنگ سیکڑوں بدلے
مگر خرد کو جنوں کی ادا نہیں آئی

میں کتنا دور ہوں اپنے وجود سے رحمت
زمانہ گزرا، خود اپنی خبر نہیں پائی

غزل

[illegible]

جب رہینِ غمِ حیات ہوئے
ختم ان سے تعلقات ہوئے

زلف کی چھاؤں میں جو دن گزرے
بس وہی حاصلِ حیات ہوئے

زندگی نے جب اپنا رُخ بدلا
میکدے سے معاملات ہوئے

اُن کے جو روستہ کو تھا ٹھہراؤ
ہائے وہ بھی تو بے ثبات ہوئے

شب ڈھلے اُن کے انتظار کے وقت
کیسے کیسے توہمات ہوئے

رونقِ کائنات تھی جن سے
اب وہی زخمِ کائنات ہوئے

خود چلے آئے وہ خیال کے ساتھ
چند ایسے بھی واقعات ہوئے

دم سے جس کے تھی روایتِ عشق
وہ بھی نذرِ تغیرات ہوئے

غزل

ناصر [illegible]

گھٹ گئی دھوپ بڑھ گیا سایا
کس نے آنچل ہوا میں لہرایا

چاند نازاں تھا اپنی صورت پر
اُن کو دیکھا تو جی میں شرمایا

اشک آنکھوں میں لب پہ آہیں ہیں
ہم نے الفت کا یہ صلہ پایا

پھر ستاروں میں کھلبلی سی مچی
پھر کوئی ماہتاب گہنایا

ہجر میں جی رہے ہیں یوں ناصر
جیسے گلشن میں پھول مرجھایا

تین شعر

عقیق [illegible]

اے عہدِ نو کی گیسو ہم تیرے سنواریں گے
حسنِ رخِ فردا کو کچھ اور نکھاریں گے

جس صبحِ درخشاں کی دنیا کو ضرورت ہے
ہم وادیِ ظلمت سے وہ صبح ابھاریں گے

اب کاکلِ گیتی سے اُلجھے تو سمجھ لیجے
ہم کاکلِ گیتی کو کچھ اور سنواریں گے

غزل

محمد حسین علی افسر

اب ان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں ہے
وہ صبح نہیں ہے وہ مری شام نہیں ہے

قائم ہے تری یاد ہی سے گرمیِ انفاس
یوں تو مرے ہونٹوں پہ کوئی نام نہیں ہے

وہ داد غمِ دل کو بھی کیا کہیے کہ جس کا
آغاز نہیں ہے کوئی انجام نہیں ہے

دو گام جسے کہیے ہے اک فاصلۂ عمر
دو گام پہ منزل سہی دو گام نہیں ہے

ہنس ہنس کے کبھی روئے تو رو رو کے ہنسے ہم
اب اس کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے

بس فرق ہے ہم رندوں میں اور شیخ میں اتنا
بد ہم سے زیادہ ہے وہ بدنام نہیں ہے

اشکِ غمِ فرقت سے ہے چھلکی ہوئی اب آنکھ
افسر یہ ہے قسمت کہ کوئی جام نہیں ہے

غزل

چندر پرکاش شاد

جائیں گی یہ نہ زندگیاں رائگاں کبھی
آئے گا راہِ عشق پہ دورِ زماں کبھی

چھیڑی تھی اپنی شوق سے نہ اک داستاں کبھی
سایہ سا بن گئے تھے زمین و مکاں کبھی

خواہاں ہوں قرب کا بھی مگر چاہتا بھی ہوں
تجھ پہ پڑے نہ سایۂ اشکِ رواں کبھی

شاید نہیں تھے جانِ متصور وگرنہ یوں
اُٹھتا نہ انتظار کا کوہِ گراں کبھی

اپنی نگاہ میں بھی رہے ہو تم ایک راز
تھا ہر نہ عشق کا ہوا دردِ نہاں کبھی

ہم تیری آرزو لئے مٹ جائیں گے مگر
اُبھرے گا کائنات کے دل سے دھواں کبھی

وحشی چلے گئے کہ زمانہ بدل گیا
پیدا ہوا نہ بزم میں پہلا سماں کبھی

امید و شوق کی جو خبر ہے تو ہے یہی
گزرا تھا تیری راہ سے یہ کارواں کبھی

صحرا نورد اب بھی بڑے پُر امید ہیں
ہو گا تمہارے پیار کا چشمہ رواں کبھی

شاد شعورِ غم کی رہیں سازشیں مدام
آئی نہ راس انجمنِ دوستاں کبھی

چار شعر

نجم ضیائی کیرانوی

گلشن گلشن وادی وادی
ہر ہر منزل تجھ کو صدا دی

تیرے عہدِ وفا نے الفت
تو نے سکھوں کی شمع بجھا دی

رشتوں کا جینا کھیل نہیں ہے
ہار چکے ہیں کتنے شہزادی

آج غمِ جانانہ بہتر ہے
لا اے ساقی جامِ وصالی

مراسلات

مہاراجہ کرشن پرشاد شاد

"قول فیصل" کے عنوان سے جناب "حکم چند جی نیر" کا ایک مضمون ۲۲؍اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء کے اخبار "ہماری زبان" میں نظر سے گزرا۔ اس میں مہاراجہ سر کرشن پرشاد شاد کو داغ کا شاگرد بتایا گیا ہے۔ جو صحیح نہیں کیونکہ وہ تلمیذ آصف تھے چنانچہ تاریخ ادب اُردو میں رام بابو سکسینہ نے اس کا اظہار کیا ہے نیز سنہ ۱۹۲۳ء کے دیوان شاد حصہ اوّل مطبوعہ کانپور سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ خود شاد نے بھی ذیل کے مقطعے میں اس کا انکشاف فرمایا ہے ؎

آصف کا خانہ زاد تھا تلمیذ بھی ہوا ● اے شاد یہ کرم ہے مرے بادشاہ کا

مصنفات شاد کی جو فہرست مضمون پیش نظر میں دی گئی ہے ان کے علاوہ حسب ذیل کتب بھی انہی کی تصنیف سے ہیں :۔

ہدیۂ شاد، خمار شاد، کلام شاد (تصوف و منقبت پر مشتمل) جواب باصواب۔ مثنوی بزم توحید، آخر الذکر تین کتابیں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی ہیں اور اول الذکر دو کتابوں کی نشاندہی تاریخ ادب اُردو میں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں "دیوان شاد حصہ اوّل" کانپور میں چھپا ہے۔ غزلیات اس میں ردیف "ر" سے "ے" تک شامل ہیں کاغذ اس کا نہایت عمدہ گلیزڈ ہے اور طباعت دیدہ زیب ہوئی ہے صفحات اس میں ۱۴۴ ہیں۔ ٹائیٹل پیج سنہری ہے جو باہتمام غنی احمد مطبع رزاقی کانپور میں چھپا ہے۔ اس کی بعض غزلیات غالب کی زمینوں میں کہی ہوئی ہیں۔ (معراج دھولپوری)

بھارت میں اُردو صحافت کی تاریخ و ترقی

۲۲؍اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء کے ہماری زبان کے صفحہ ۹ پر "بھارت میں اُردو صحافت کی تاریخ و ترقی" کے عنوان سے گورنمنٹ آف انڈیا کے پریس انفارمیشن بیورو کا جو مضمون شائع ہوا ہے اس کے سلسلے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

کلکتے سے نکلنے والے جام جہاں نما اور شمس الاخبار اصل میں دونوں فارسی کے اخبارات تھے۔ لیکن ان کے ساتھ اردو کے ضمیمے شامل ہوتے تھے۔ جام جہاں نما کے ایڈیٹر ہری دت اور شمس الاخبار کے ایڈیٹر منی تھا کرتے تھے اور اردو صحافت کے جنم داتا ہونے کا سہرا انھیں دونوں حضرات کے سر ہے۔ شمس الاخبار کا سن اشاعت ۱۸۲۳ء ہے۔

سنہ ۱۸۵۷ء سے قبل شائع ہونے والے اُردو اخبارات کی فہرست میں محولۂ بالا مضمون میں کوہ نور کا نام نظر نہیں آیا۔ کوہ نور سنہ ۱۸۵۰ء میں لاہور سے منشی ہرسکھ رائے کی ادارت میں ہفتہ وار اخبار کی صورت میں شائع ہونا شروع ہوا۔ اور یہی پنجاب کا سب سے پہلا اخبار تھا۔

اس کا چرچا برطانوی ہند اور ریاستوں میں خاصہ تھا۔ لیکن اشاعت محدود تھی۔ گارساں دتاسی کے مطابق سنہ ۱۸۵۰ء میں اس کے خریداروں کی تعداد ۹۴۳ سے زیادہ نہ تھی۔ (پرکاش مونس)

حزیں صولت جنگ کی رفاقت میں عظیم آباد میں!

جناب بیدل کی کتاب "کلام میر" میں جو بہار یونیورسٹی کورس کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ میر کے معاصرین میں حزیں کے ذکر میں لکھا گیا ہے کہ "سنہ ۱۱۵۴ھ میں عظیم آباد آکر نواب سعید احمد خاں صولت جنگ کی رفاقت میں زندگی بسر کرنے لگے"۔ صولت جنگ موصوف جو بقول صاحب شعر الہند مربیان اُردو سے تھے پورنیہ کے فوجدار تھے پورنیہ میں رہے خود صاحب سیر المتاخرین انکے دربار سے وابستہ ہو کر پورنیہ میں رہے تھے۔ اور اور عالم اور شاعر بھی ان کے دربار میں رہے ہیں۔ صولت جنگ کی تو مستقل سکونت عظیم آباد میں شاید کبھی نہیں رہی۔ پھر حزیں صولت جنگ کی رفاقت میں عظیم آباد میں زندگی بسر کرنے لگے یہ کیونکر ہوا؟

کوئی محترم باخبر ہماری زبان کے صفحات میں اس پر روشنی ڈال کر استفادہ کا موقع دیں ہم ممنون ہوں گے۔ (محمد سلیمان)

علامہ آرزو لکھنوی

میں آج کل حضرت انور حسین آرزو لکھنوی کی حیات اور ادبی کارناموں پر ایک تحقیقی مقالہ ترتیب دے رہا ہوں جسے جامعہ بمبئی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اُردو زبان و ادب کے شیدائی بالخصوص تلامذہ و قدردانان آرزو مرحوم اس سلسلے میں میری معاونت فرمائیں گے تو عین نوازش ہوگی۔ پتہ حسب ذیل ہے:۔

مجاہد حسین حسینی۔ انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
۹۲۔ دادا بھائی نوروجی روڈ۔ بمبئی ۱

انجمن کا خبرنامہ

بزم ادب مئو کی نشست

مورخہ ۳ نومبر ۱۹۶۱ء کو ۸ بجے شب میں بزم ادب مئو کے زیر اہتمام ایک مشاعرہ صدر بزم جناب فضا ابن فیضی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مشاعرہ "دانش کدہ" کے وسیع ہال میں ہوا اور بذریعہ لاؤڈ اسپیکر نشر کیا گیا۔

اثر انصاری، حبیب اللہ نیر، غنی احمد غنی، ماہر انصاری، سردار شفیق، ناصر انصاری، ولی انصاری، ممتاز انصاری، مختار احمد اختر اور دوسرے اصحاب نے اپنی غزلوں سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ محمد اکرم نے ایک افسانہ بعنوان "کرن" سنایا جو بے حد سراہا گیا۔ نیز گورکھپور سے آئے ہوئے مہمان شاعر و افسانہ نگار ایم کوٹھیا وی راہی نے ایک تازہ ترین افسانہ "جو ماں ملی تو کہاں ملی" اور غزل کے چند شعر سنائے۔ افسانہ بیحد کامیاب رہا۔ آخر میں صدر نے ایک غزل پیش کی۔ نیز سامعین کے اصرار پر دو نظمیں "سلگتے سائے" اور "زخموں کے پھول" سنائیں جو بے حد پسند کی گئیں۔ اس ادبی پروگرام میں شہر کے باذوق حضرات نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔ دس بجے شب میں یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(سردار شفیق پروپیگنڈہ سکریٹری)

شاہجہاں پور میں یادگار مشاعرہ

بتاریخ ۸ ۲ر اکتوبر ۶۱ء ۹ بجے ایک بزم سخن زیر صدارت حکیم شکیل احمد صاحب شمسی منعقد ہوئی جس میں بیرونجات کے مشاہیر شعرائے کرام نے شرکت فرمائی۔ مشاعرہ کا افتتاح کرتے ہوئے رشید حسن خاں صاحب نے اس محفل ادب کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ اردو ادب میں مشاعروں کا کیا مقام رہا ہے۔ ٹھیک ۹½ بجے مشاعرے کا آغاز ہوا جو بحسن و خوبی ۵ بجے شب کو ختم ہوا۔ خاص طور پر استاد رشید رامپوری، مولانا ابر احسنی گنوری، حبیب بھوپالی، جام رام پوری، رئیس رامپوری، افروز بریلوی، نشاط پیلی بھیتی، جاوداں لکھنوی، طالب لکھنوی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آخر میں حضرت اذیل شاہجہاں پوری اور شجو جائسی نے اپنی ہزلیات سے مشاعرے کو قہقہہ زار بنا دیا۔ اختتام پر تمام مہمان شعرائے کرام اور خاص طور پر صدر محترم کا شکریہ ادا کیا گیا جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود تشریف لا کر بزم کو رونق بخشی۔ (رباب رشیدی)

دائرہ فکر و نظر (گیا)

چند سرگرم نوجوانوں کی کوشش سے دائرہ فکر و نظر کا قیام عمل میں آیا جس کی غرض و غایت اور مطمح نظر اردو زبان کی ترقی و اشاعت اور اس کے اصناف ادب کا فروغ اور خاص کر نوجوان شعراء اور ادباء میں تنقیدی صلاحیتوں اور تخلیقی قوتوں کو اجاگر کرنا ہے نیز تخلیقات پر مخلصانہ اور بے تکلفانہ فضا میں سر جوڑ کر باہمی تبادلۂ خیال اور غور و فکر کرنا بھی ہے جس کے لئے ہر اتوار کو جلسے ہوا کریں گے۔ (محبوب نظر، معتمد)

"گوشۂ ادب" کی بیسویں نشست

۲۹ر اکتوبر ۶۱ء بوقت ۷ بجے شام "گوشۂ ادب" اسٹوڈنٹس سوسائٹی کے ابی روڈ صاحب گنج کی بیسویں ادبی نشست زیر صدارت شہاب الدین منعقد ہوئی۔ سکریٹری کی رپورٹ کے بعد کمال احمد صدیقی، نسیم پرویز، شعلہ غازی پوری، اسد اثنی، نجم الحسن نجمی، کنہیا پرشاد، ظہور علی کوثر نے اپنی گرانقدر تخلیقات سے سامعین کو نوازا۔ (سکریٹری)

مائکرو فلم کیمرہ حیدری گشتی کتب خانہ میں

حیدری گشتی کتب خانہ حیدرآباد کی سب سے پہلی پبلک لائبریری ہے جسے اردو گشتی کتب خانہ کے نام سے مولوی فضل اللہ صاحب نے ۱۹۲۵ء میں عوام میں ادبی ذوق پیدا کرنے کے لئے قائم کیا تھا۔ بعد میں اردو زبان کے محسن اس وقت کے حیدرآباد کے وزیر اعظم اور اردو جامعہ عثمانیہ کے بانی سر اکبر حیدری کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے موجودہ نام دیا گیا۔ مولوی فضل اللہ کی ان تھک کوششوں کی وجہ سے کتبخانہ اپنی ترقی کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔

۱۹۳۳ء میں انکی بے وقت موت کتبخانہ کے لئے ایک زبردست حادثہ تھی مگر بڑی ہمت سے قائم کیا ہوا یہ ادارہ سخت ترین مشکلات میں بھی اپنے قابل صدر جناب جانکی پرشاد (سکریٹری انڈین کانفرنس آف سوشیل ورک) کی رہنمائی میں اپنے کام میں مصروف رہا۔

کچھ دن پہلے امریکہ کے جناب آر مفر سیڈل نے اپنا ایجاد کردہ ٹیل مائکرو فلم کیمرہ جسکی اندازاً قیمت سوا سو اسٹرلنگ پونڈ ہے کتبخانہ کو تحفتہً دیا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا کیمرہ ہے جو حیدرآباد کی پبلک لائبریری کو ملا ہے۔

(احسان اللہ۔ لائبریرین)

ہند و پاک کے شعراء کی ایک یادگار محفل شعر

حیدرآباد ۹ر نومبر ۱۹۷۱ء۔ نمائش کلب حیدرآباد میں عظیم پیمانہ پر ایک یادگار مشاعرہ منعقد ہوا جس میں شعر و ادب کے پرستاروں نے پانچ گھنٹے تک ہند و پاکستان کے ممتاز شعراء کا کلام انتہائی نظم و ضبط اور سکون کے ساتھ سُنا۔ مشاعرے کی صدارت ڈاکٹر بی گوپال ریڈی مرکزی وزیر تعمیرات الکنہ و رسل نے کی۔ پانچویں یوم تاسیس آندھرا پردیش کے موقع پر آندھرا جینتی تقاریب کمیٹی کے زیر اہتمام اُردو کا کل ہند مشاعرہ منعقد کیا گیا تھا۔ ایک روز قبل تلگو کا کوی سمیلن ریاستی چیف منسٹر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ابتداء میں مسٹر جے وی وشال ہی صدر آندھرا جینتی تقاریب کمیٹی نے خیر مقدمی تقریر کی۔ مشاعرے کا آغاز دس بجے شب کیف رضوانی کی غزل سے ہوا۔ اس کے بعد امین احمد تاب، مسٹر ہیرالال شارب اور شاذ تمکنت نے اپنا کلام سُنایا۔ اور مہمان شاعر روش صدیقی و رام کرشن مضطر کے بعد ممتاز شاعر ممتاز شاعر مخدوم محی الدین نے اپنی نئی نظم "تحفۂ جگر" سنا کر داد تحسین حاصل کی۔ مسلسل اصرار پر اپنی ایک اور مشہور نظم "کشمیر" سنائی۔ شاہد صدیقی نے اپنی نظم "تجربے" پیش کی۔ اس کے بعد مہمان شاعر نشور واحدی، فنا کانپوری، قتیل شفائی اور جگن ناتھ آزاد نے اپنا کلام سنایا۔ ملک کے مشہور شاعر حضرت فراقؔ گورکھپوری نے اس مشاعرے میں رباعیاں اور قطعات کے علاوہ دو غزلیں سُنائیں۔ مسلسل اصرار پر انھیں تین بار اپنا کلام سُنانا پڑا۔ کنول پرشاد کنولؔ اور کھوشبیر نرمل نے بھی اپنا کلام سُنایا۔ ڈاکٹر بی گوپال ریڈی کی غیر موجودگی میں پروفیسر عبدالقادر سروری نے مشاعرے کی صدارت کی۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر ریڈی مشاعرے میں تشریف لائے۔ حضرت فراق گورکھپوری، قتیل شفائی اور نشور واحدی کو بے حد پسند کیا گیا۔ خاتون شاعر یاد لکھنوی نے بھی اپنا کلام سُنایا۔ بارش کی وجہ سے مشاعرہ نمائش میدان کی بجائے نمائش کلب میں منعقد ہوا۔

انجمن نوجوان مصنفین بمبئی

انجمن نوجوان مصنفین کی پندرہ روزہ ادبی نشست اتوار مورخہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کو کوئی ساڑھے چھ بجے دفتر "نوجوان پارٹی" ڈینسری کھیلا بھائی اسٹریٹ، مدن پورہ میں منعقد ہوئی۔ صدارت مقبول عالم صاحب نے کی۔

سب سے پہلے جوائنٹ سکریٹری نے گذشتہ میٹنگ کی رپورٹ پڑھ کر سُنائی جو مناسب ترمیموں کے بعد منظور ہو گئی۔ اس کے بعد نصیب راہی نے اپنی نظم "وارورسن" حسن عباس فطرت نے مزاحیہ مضمون "بیویوں کی قسمیں" اور ستار جے پوری نے اپنی غزل سُنائی۔ تخلیقات پر کی گئی بحث میں مقبول عالم، حمید سوورتی، حسن عباس فطرت، یوسف منان، بھیم سین، منظور حسین، عنایت اختر، یٰسین احمد، محمد بشیر اور سلیمان ظفر نے حصہ لیا۔

(سلیمان ظفر۔ جوائنٹ سکریٹری)

ایوانِ اُردو میں محفل شعر و سخن

۱۵ر نومبر شام کے ۶ بجے ادارہ ادبیات اُردو کی طرف سے ایوان اُردو میں یوم تاسیس آندھرا پردیش کے مشاعرے میں شرکت کے لئے آئے ہوئے شعرا کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس تقریب کی صدارت صدر ادارہ پروفیسر سید علی اکبر صاحب نے کی۔ سید محمد پرنسپل اُردو کالج نے ابتداء میں ادارے کی خدمات پر مختصر تبصرہ کیا۔ وقار خلیل ایڈیٹر سب رس نے شعرا کا خیر مقدم اور تعارف کرایا۔ اس مخصوص محفل شعر و سخن میں پروفیسر فراق، قتیل شفائی، روش صدیقی، نشور واحدی، رام کرشن مضطر، فنا نظامی کانپوری اور ہندی کے شاعر اندی ورنے اپنا کلام سُنایا۔ مقامی شعرا میں حمی علی اصغر اور عابد بن شبیر نے غزلیں پیش کیں۔ پروفیسر محمد اکبرالدین صدیقی نے تمام مہمان شعراء صاحبان کو ایوان اردو کے شعبہ جات کی سیر کرائی، گروپ فوٹو اور عصرانے کے بعد یہ محفل اختتام کو پہنچی۔ (و۔ خ)

اقبال کرشن

دیوان سرمست الٰہی

آج سے ساٹھ سال پہلے ۱۹۰۱ء میں ڈاکٹر الیسین کے ذریعہ کلکتہ میں انجمن صوفیہ کے نام سے ایک انجمن قائم تھی۔ "حضرت سرمست الٰہی شاہ محمد ابو محمد صاحب چشتی الفخری تخلص ہندی پریمی خضر پوری" اسی انجمن سے منسلک تھے۔ ان کی ایک کتاب ہاتھ آئی ہے جس کا نام ہے "پرتو اشرفی معروف بہ تجلیات معنوی شہ"۔ یہ کتاب ۱۳۲۲ ہجری میں مطبع مصطفائی میں چھپی تھی اور ۶۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی میں دیوان سرمست الٰہی ہے۔ کتاب کی قدامت کا تقاضا ہے کہ اس غیر معروف مطبوعہ دیوان کو معروف کیا جائے۔

شاہ عزیز الرحمٰن کا سلسلہ جناب فخر الدین محب النبیؒ صاحب سے ملتا ہے:-

شاہ عزیز الرحمٰن — ابو محمد اشرف علی — مسکین علی شاہ — حضرتنا صادق — محب النبی۔

دیوان قریب سات سو اشعار پر مشتمل ہے۔ اشعار سب مذہبی رنگ میں ہیں۔ سب پر تصوف کی گہری چھاپ۔ تذکیر و تانیث کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ اکثر جگہوں میں غلطیاں جان بوجھ کر کی گئی ہیں، صرف قافیہ پیمائی کے لئے۔

مذہبی مسلک

یہ ایک شریعت شکن صوفی تھے۔ تصوف کی چکنی زمین پر کہیں کہیں پھسلے بھی ہیں، شریعت شکنی میں کہیں کہیں اسلام شکنی بھی ہو گئی ہے۔ اندازہ لگائیے:-

احد احمد بخدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
نور سے نار ملا تھا مجھے معلوم نہ تھا

کبھی تو رام ہوا کا ہے تو رحیم بنا

قسم احد کی ہے احمد احد ہیں دونوں ایک
جو دیکھا میم کا پردہ اٹھا تو آن نکلا

اللہ جسے کہتے ہو تم ہے وہ صنم ایک
اسلام و کفر ایک ہی ہے دیر و حرم ایک

اسلام و کفر دونوں کو کرتا سلام ہوں
بندہ ہوں میں خدا کا نہ پابند نام ہوں

نہیں مجذوب سا کہ مارتا ہوں بزم اشرف میں
خدا خود عبد کی صورت پہ بندہ بھی خدا بھی ہے

شفیع دو جہاں اشرف علی ہیں فیض اقدس سے
کمال امید ہے سرمست مجھ کو ان کی ذات پر

غلطیاں

ایک تو آج سے ساٹھ سال قبل کا زمانہ اور کلکتہ کا غیر ادبی ماحول، تذکیر و تانیث وغیرہ کی کچھ غلطیاں اگر نظر آجائیں تو تعجب کیا۔ دیکھئے کچھ معرکہ آرا غلطیاں:-

شیش خانہ میں قدم رکھا تو بولا یار نے
شش جہت میری ہی نقشہ آشکارا ہو گیا

احد و احمد کی حقائق آشکارا ہو گیا
سو اسے محبوب یہ اُس کا دلارا ہو گیا

فنشہو وجلہ کا سمجھنے یہ بے گماں نکلا
تو شش جہت ہی کا برزخ دروازہ ان نکلا

تھی ہیچ نظر آپ کے آئینۂ وحدت　　بجز وصل خدا غیر کا کچھ بھی تو نہ تھا بات

کسی چراغ عارف سے تم اپنا آنکھ جلوا لو
پڑا پردہ ہے ظلمات کا بیکار گیا باعث

دو جہاں صفت میں بدنام ہوا میرا جد　　پر کسی کو نہ پتہ عشق ملا میرے بعد

طالب کوئی ہے زر کا کسی کو طلا ہوس
جز پیر کے نہیں ہے مجھے دوسرا ہوس

ملکوت میں تھا مجھ کو بھی تقدیر کی ہوس
جبروت میں ہے اب مجھے تدبیر کی ہوس

انتخاب دیوان

ان غلطیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جناب سرمست الٰہی صاحب کی شاعرانہ اہمیت کیا ہے۔ ان کے اشعار کے درج ذیل انتخاب سے ان کی شاعرانہ اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رشتۂ آشام سے مخفی نہ رکھا جیکہ جگر
چاک کرنے کو گریباں وہی سینہ آتا

عدم سے ڈھونڈھتا تجھ کو کہاں کہاں نکلا
چھپا تو مجھ میں تھا دیکھا تو جان جاں نکلا

تلاش یار میں کیجئے کہاں کہاں نکلا
کبھی تو جانب صحرا و بوستاں نکلا

اسود کو اس نے کعبۂ دل میں بسا دیا　　منھ دیکھنے کو آئینہ اچھا بنا دیا

ہم تو ہیں مرد خدا جنت سے ہم کو کیا غرض
انس مستورات کو ہے خلد معصورات کا

قدح میں آفتاب سے ہے پر شرر شراب
منہ سے لگا دے ساقیا لالہ میں بھر شراب

کیوں نہ مجھ کو زیب دے جہل المرکب کا لقب
خود فراموشی میں تو غیر و خود پہ اصبا ہے عبث

رشتہ یہ بندھا عشق کا کفار سے کیوں آج
وابستہ ہے اسلام بھی زنار سے کیوں آج

اسلام و کفر کی ابھی بجھ جائے گی تشنگی
لکھ دوں جو حوض کوثر و تسنیم کی شرح

کب اہل دل ہیں دولت دنیا کے نشہ میں
رہتے ہیں بادۂ عشق سے مخمور بے طرح

ہم نے جام اشرفی کو پی لیا ملکوت میں
اس لئے جبروت میں مجھ پہ کھلا اسرار شیخ

خدا کو دیکھنا ہو خود کو دیکھو
یہی نقشہ یہی صورت محمدؐ

سلخ قبل از بیعت یہ واقعہ مصنف پر عالم نوم و حیرت میں مقام رنگون ... گزر چکا ہے۔

بقیہ

دیوان جانی بہاری لال راضی بھرتپوری

فہرست میں دی ہوئی کتابوں کے علاوہ (۸) "انگریزی اردو خالق باری" (جائزۂ زبان اردو) (۹) "دستور تحریر" (۱۰) "دیوان راضی" (تلامذۂ غالب)۔ (۱۱) ہندی ترجمہ باب ہشتم گلستان سعدی، (خطبہ دتاسی یکم دسمبر ۱۸۶۲ء)۔ (۱۲) حسب حال۔ (۱۳) شادی نامہ نیز (۱۴) سنسکرت ویاکرن کا ہندی ترجمہ (مضمون سکسینہ صاحب) نام کی کتابیں بھی جانی جی کی تصنیف بتائی جاتی ہیں مگر تشنۂ تفصیل ہیں اور آخر الذکر تین کتابیں محتاج توثیق و تائید بھی۔

"یادگار راضی" میں مصنف کی ایک عکسی تصویر بھی شامل ہے جس سے ان کا سادہ مزاج ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کسی قسم کا کروفر اس سے مترشح نہیں ہوتا۔ گول پگڑی، انگرکھا اور پاجامہ میانہ قد و قامت پر سجا ہوا ہے۔ نیز اس وقت کے دستور کے مطابق چہرے پر ڈاڑھی بھی ہے۔ ہاتھ میں ایک کتاب لئے کرسی پر بیٹھے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ شاعر کی اس وضع قطع کو دیکھ کر قصیدے کے ان اشعار کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے، جن میں ہندوستانی کو انگریزی لباس پہنا دیے جانے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے پُرشکوہ نہ ہونے پر معذرت کرتے ہوئے اس کے فرحت انگیز و دلچسپ ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ عنوان اس تصویر کا مطابق ذیل ہے:۔

"شبیہ جناب دیوان جانی بہاری لال صاحب وکیل و پنچسردار ریاست بھرتپور مصنف کتاب ہذا"

کتاب زیر قلم کے آخری ٹائٹل پیج پر ایک اشتہار بھی ہے جس میں مصنف نے اپنی کتابوں کو رجسٹری سے محفوظ رکھنے کا اعلان کیا ہے اور حق تصنیف تمام اہل مطابع کو بخوشی خاطر بخشا ہے۔ نیز بلا تامل چھاپ لینے کی اجازت دی ہے۔ اس سے ان کا مقصد علم و فن کی ترویج و اشاعت ہے سُنا ہے کہ مصنف نے اپنی کتابوں کو فروختگی کے لئے بازار میں نہیں رکھا۔ تحفۃً احباب و ارباب ذوق کو مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بطور عام ان کی تصانیف دستیاب نہیں ہوتیں۔

جانی جی نے جس طرح ملازمت کے سلسلے میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اسی طرح علمی و ادبی حلقوں کو فیض پہنچاتے رہنا بھی ان کی زندگی کا اہم مقصد رہا ہے۔ بڑی محنت و تن دہی کے ساتھ وہ اس کام کو بھی تادم آخر انجام دیتے رہے اور متعدد و گراں قدر تصانیف کے ذریعے ارباب ملک کو مستفید و مستفیض کرتے رہنا ان کا مسلک رہا۔ ان کی ہر تصنیف ان کے فاضل اجل ہونے کی دلیل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی، فارسی، اردو، ہندی و انگریزی پر مکمل عبور رکھتے تھے اور ان زبانوں میں شعر کہنے کا غیر معمولی ملکہ قدرت نے انکو عطا کیا تھا۔ صاحب آثار الشعراء نے ان کا سنسکرت میں مہارت رکھنا بھی بیان کیا ہے جو راضی ایسے ذہین و طباع اور محنتی انسان کے عین شایان شان ہے۔ ان کا زمانۂ تصنیف و تالیف کتب پیش نظر کی بنا پر کم سے کم اُنتیس سال قرار پاتا ہے کہ مذکورۂ بالا کتب میں اولین کا ورود ۱۲۷۷ھ میں اور آخرین کا ۱۳۰۶ھ میں ہوا ہے۔ اب اگر اس سے قبل اور اس کے بعد اور کچھ نہیں لکھا لکھایا تو بھی یہ طویل مدت تو مسلم ہی ہے۔ ورنہ اس سے زیادہ کا ہونا بھی بعید از قیاس نہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ راضی کا سال وفات تیقن کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا۔ فاضل مؤلف "تلامذۂ غالب" نے ۱۸۹۵ء میں ان کی رحلت بتائی ہے اور سکسینہ صاحب مضمون زیر نظر میں ۳۰ر اپریل ۱۹۰۹ء تک ان کا زندہ پانا بیان فرماتے ہیں۔ اگرچہ کہ اعتراض اس پر بھی وہی بغیر حوالہ ہونے کا عائد ہوتا ہے جو موصوف نے مؤلف تلامذۂ غالب پر کیا ہے بہرحال معاملہ مذبذب ہے۔

سکسینہ صاحب فرماتے ہیں کہ نوے سال کی عمر میں جانی جی کا دیہانت ہوا اور سال ولادت آپنے اسی مضمون میں ۱۸۳۰ء بتایا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آج انکو بقید حیات ہونا چاہیے کہ نوے سال ۱۹۲۰ء میں ہوں گے جس سے ظاہر طور سال ولادت کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ خود مصنف کے قول کے مطابق جو انھوں نے قصیدہ مخزن اردو میں کہا ہے ان کا صحیح سال ولادت ۱۸۱۵ء ہوتا ہے۔ اس حساب سے

نوے سال ۱۹۰۱ء میں ہوتے ہیں مگر نوے سال کی عمر میں وفات پانا محتاجِ توضیح ہے اور جب تک مستند کسی حوالے سے اس کی تائید نہ ہو کیونکر اسکو قابل قبول سمجھا جا سکتا ہے۔

اکتوبر ۱۹۰۶ء میں منشی سکھدیو پرشاد تھرا (اوپ) شہری ماسٹر ہائی اسکول بھرتپور کا مجموعۂ کلام "گلدستۂ بہار" کے نام سے انوار احمدی پریس الہ آباد سے شائع ہوا ہے۔ اس کے آخر میں جو قطعات تاریخ شامل ہیں ان میں ایک قطعہ مندرجہ ذیل بھی ہے جس میں نام اور سردار ہونا تو جانی جی کی ذات کے مطابق ہے۔ مگر تخلص مختلف۔ ممکن ہے کہ زندگی کے حصۂ آخر میں راضی نے اپنا تخلص بدل لیا ہو اور اگر نہیں تو قطعہ کسی دوسرے "جانی بہاری لال" کا ہے جو سردار بھی تھے اور شاعر بھی۔ مگر بھرتپور میں کسی سے مجھے ایسی کوئی معلومات بہم نہیں پہنچی تاہم تیقن کے ساتھ میں اس سلسلے میں کچھ کہہ نہیں کر سکتا۔ قطعہ تعریہ یہ ہے :-

"از فکر نادر بیان خوش نظم جانی بہاری لعل صاحب بجو سردار ریاست بھرتپور"

دکھوں اشعار سحر ساحری ہوں • مصنف شاعر جادو بیاں ہے
کرکے بجو نے فکر سال دیواں • کہا "باغ بہار بےخزاں ہے"

۱۸ عیسوی ۹۶

صاحب آثار الشعرائے ہنود نے ۱۸۸۵ء کے مطبوعہ اپنے تذکرے میں جانی جی کے حالات مطابق ذیل حوالۂ قلم کئے ہیں :-

"راضی تخلص دیوان جانی بہاری لال قوم ماتھر برہمن باشندہ شہر آگرہ جو ایک نامی گرامی شخص اس زمانہ میں ہیں انھوں نے علم عربی فارسی انگریزی اور سنسکرت میں مہارت حاصل ہونے کے بعد عرصہ تک سرکار انگریزی میں نوکری کی اور پھر ریاست بھرتپور میں نائب وکیل ہوئے اور اب وکیل حاضر باش ایجنٹ ریزیڈنٹی راجپوتانہ ایک عرصے سے ہیں۔ اور اس عرصہ میں ایک دفعہ دیوان ریاست مذکور واقع کاٹھیاواڑ اور ایک دفعہ مہاراجہ صاحب سجن سنگھ جی والی میواڑ کے اتالیق ہو چکے ہیں۔ ریزیڈنٹی میں ان کا بہت بڑا اثر بسبب قدامت اور لیاقت کے ہے اور اکثر انگریزوں نے ان سے ہندی اور فارسی پڑھی ہے۔ وہ شعر بھی کہتے ہیں چنانچہ گلستاں کا نظم ترجمہ اردو زبان میں بنام "گلزار راضی" کیا ہے اور اسی طرح انوار سہیلی کو بھی نظم میں لکھا ہے۔ آگرہ پر میری ملاقات بھی ان سے ہوئی تھی۔ آدمی بہت بزرگ منش اور باخبر ہیں۔ دور شادی اب تک باوجود گزر جانے سن شباب کے نہیں کی ہے۔ اور اپنے مذہب کے بہت پابند ہیں مگر افسوس ہے کہ اس وقت ان کا کوئی شعر ہمارے پاس اس تذکرہ میں درج کرنے کو نہیں ہے۔" ص ۹۳-۹۴

یہ ہیں راضی کے مجمل حالات جو ایک معاصر نے قلمبند کئے ہیں جو ان سے ملاقات بھی کر چکے تھے۔ میری رائے میں ان سے مستند جانی جی کے حالات کا دستیاب ہونا دشوار ہے۔ راقم سطور نے انہی کی روشنی میں بتائید و مطالعہ دیگر کتب مستند اپنا مضمون تیار کیا ہے۔

تبصرے

خلیل الرحمٰن اعظمی

زنجیرِ رمِ آہو

مصنف: عبدالعزیز خالد

ناشر: ادارہ مطبوعات مشرق۔ کراچی

قیمت: دو روپے

تقسیم ہند کے بعد نمایاں ہونے والے اُردو شاعروں میں عبدالعزیز خالد کا کلام کئی اعتبار سے توجہ کا مستحق ہے۔ آزادی اور فسادات کے موضوع پر ہنگامی اور صحافتی شاعری جب یکسانیت کا شکار ہو گئی اور کچھ ہی دنوں کے بعد اس طرح کی ادبی پیداوار کا طلسم ٹوٹ گیا تو اس کے نتیجے میں پچھلی نسل کے بہت سے مقبول اور معروف شعراء یا تو شاعری سے تائب ہو گئے یا غزل گوئی پر قناعت کر لی۔ نئی نسل کو نقادوں نے یہ مژدہ سنایا کہ ادب میں جمود ہے اور شعر و شاعری کے لئے بین الاقوامی حالات بھی ناسازگار ہیں۔ ایسے وقت میں بعض نوجوان شعراء نے اپنا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ادبی و تہذیبی خزانوں کو کھنگال کر روایت کے صحت مند عناصر سے ایک بار پھر رشتہ جوڑنے اور انھیں جدید عناصر سے آمیز کر کے موجودہ دور میں ان کی معنویت اجاگر کرنے کا کام شروع ہوا۔ پاکستان اور ہندوستان دونوں جگہ کے شعراء کے یہاں اس دور میں ہندوستانی لب و لہجہ، ہندوستانی رقص، موسیقی اور لوک گیت کے آہنگ کو جذب کرنے اور میر، نظیر اکبرآبادی، عظمت اللہ خاں، آرزو لکھنوی اور میرا جی وغیرہ کے اسالیب کے امکانات دریافت کرنے کی کوشش ملتی ہے۔ خالد نے اس کے برخلاف اپنا رشتہ عربی شاعری، انجیل اور دوسرے الہامی صحیفوں اور صنمیات پر مبنی ڈرامائی شاعری سے جوڑ کر اپنی ڈگر علیحدہ بنا لی ہے۔ یونانی اور انگریزی ادب کا مطالعہ بھی انھوں نے لگن کے ساتھ کیا ہے۔ ان کا پہلا مجموعہ "زرداغِ دل" ان کے منظوم ڈراموں پر مشتمل تھا جن کے پلاٹ بائرن، لانگ فیلو، رابرٹ براؤننگ، مارلوئے، ملٹن اور شوقی بک سے ماخوذ تھے۔ ان منظوم ڈراموں کا طریق کار اور ان کا اسلوب خود خالد کا وضع کردہ تھا۔ اس مجموعے کے بعد سیفو کی نظموں کا ترجمہ "سرودِ رفتہ" اور انجیل کے غزل الغزلات سلیمان کا ترجمہ "غزل الغزلات" ان کے قلم سے شائع ہوا اور "سلومی" پر بھی انھوں نے ایک منظوم ڈرامہ لکھا جو ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ "زنجیرِ رمِ آہو" ان کی نظموں کا مجموعہ ہے جن میں بیشتر طبعزاد ہیں۔ خالد کے دوسرے شعری مجموعے اور زیرِ نظر تصنیف قاری سے پوری توجہ اور ہمدردی کی طالب ہے اس لئے کہ ان کی شاعری داخلی اور غنائی ہونے کے ساتھ ساتھ فکری اور ایک حد تک علمی بھی ہے۔ ان کے اسلوب پر ابتدا میں اقبال کا پرتو نظر آتا ہے۔ چنانچہ "نوائے شوق" کے عنوان سے پہلی ہی نظم کی ابتدا یوں ہوتی ہے:۔

اوجِ سرود و سخن، خوابِ خیال و فغاں
سینۂ صد چاک سے فیض کے سوتے رواں
اشکِ جگر سوز سے، فکر و نظر کا فروغ
داغِ دل افروز سے گرمیِ بزمِ بیاں
جوہرِ تخلیق ہے بادۂ صہبا گداز
ہر نظر اک ابتلا، ہر نفس اک امتحاں
اک ازلی التہاب، اک ابدی اضطراب
مبداءِ فیاض سے قسمتِ آزادگاں
سختیِ دشت و دیار، صدقِ طلب کا نقیب
راہِ تمنا میں ہے ہر قدم اک ہفت خواں
پائے خضر کے لئے راحتِ منزل نہیں
بالِ ہما کے لئے شاخِ نشیمن کہاں

لیکن آگے چل کر ان کی آواز میں اقبال کے علاوہ بھی بہت سی آوازیں مل جاتی ہیں ان سب آوازوں سے مل کر خالد کی اپنی آواز ایک نئے اسلوب کی تلاش میں ہے لیکن اس اسلوب کے خد و خال ابھی پورے طور پر متعین نہیں ہوئے ہیں اس لئے پڑھنے والے کو جگہ جگہ ذہنی جھٹکے لگتے ہیں اور ان کا لہجہ نامانوس معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے عروضی اعتبار سے "تسکین اوسط" کے استعمال کا تجربہ بھی کیا ہے جس سے اُردو کا قاری زیادہ بے تکلف نہیں ہے۔ ان کے یہاں جابجا فارسی اور عربی کے اچھے شعروں کی تضمین یا ان کی طرف اشارات ہیں اس لئے جس شخص کی واقفیت ان اشعار سے براہ راست نہیں ہے وہ خالد کے شعروں کی معنویت کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان کے یہاں واضح اور شفاف شاعرانہ ٹکڑے بھی اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں خاص طور پر "طیورِ آوارہ" کے عنوان سے اٹھارہ مختصر نظمیں عام قاری کے لئے بھی لطف اندوزی کا سامان اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اسی طرح "سکوتِ شام" "دو آوازیں" "اول شب" "بہار و خزاں" "تذکرۂ شوق" اور "خمیرہ" بھی ایسی نظمیں ہیں جن کی تخلیق میں خالد کے اپنے ذاتی اور داخلی تجربات کا خاصا دخل ہے اس لئے ان پر محسوسات کا رنگ بھی زیادہ نمایاں ہے اور ان کا اسلوب عام طور پر غنائی شاعری سے ہم آہنگ ہے "راہ و رسمِ منزلہا" کے عنوان سے نسبتاً طویل نظم بھی داخلی آہنگ رکھتی ہے۔ البتہ اس مجموعے کی دو اہم نظمیں "اختر شناس" اور "غبارِ خاطر" اپنے موضوع اور اسلوب دونوں اعتبار سے ایسی ہیں کہ سرسری نظر سے پڑھنے والا شاید ان سے گزر جائے۔ لیکن اگر ان نظموں کو توجہ سے پڑھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ خالد جدید شاعری میں اپنا جو انفرادی کردار بنانا چاہتے ہیں ان کی نمائندگی انھیں نظموں سے ہوتی ہے۔ خالد کی شاعری کا میدان بہت وسیع ہے اور انھوں نے علمی اور ثقافتی سرمایے سے بھی اکتساب کرنے کا ہنر سیکھا ہے اس لئے ہمیں امید ہے کہ آئندہ وہ ہماری شاعری کو بہت کچھ دے سکیں گے۔

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا